ماہنامہ
قومی زبان
حیدرآباد
تلنگانہ اسٹیٹ اردو اکیڈیمی کا علمی، ادبی، لسانی، فنی و سائنسی جریدہ
نومبر 2018ء
15/- روپے
ISSN 2321-4627

عظیم مجاہد آزادی، امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد

قرینہ

ہم کلامی	:	پروفیسر ایس اے شکور	6

مضامین :

مولانا ابوالکلام کی تاریخی بصیرت	:	ڈاکٹر عقیل ہاشمی	7
مولانا آزاد کا جامع مسجد دہلی میں خطاب اور اس کی عصری معنویت	:	ڈاکٹر محمد اسلم فاروقی	13
مولانا آزاد کا اسلوبِ طنز طنزیاتِ آزاد کے حوالے سے	:	ڈاکٹر سید وصی اللہ بختیاری عمری	18
مولانا ابوالکلام آزاد فن خطوط کے آئینہ میں	:	ڈاکٹر ضامن علی حسرت	24
''یوسف علیہ السلام''	:	ظہیر دانش عمری	29
مولانا آزاد کی فراموش کردہ کتاب			
مولانا آزاد کی فکر و سیاسی بصیرت	:	ڈاکٹر سید اسرار الحق سبیلی	33
مولانا ابوالکلام آزاد اور علوم جدیدہ	:	ڈاکٹر ابرار احمد اجراوی	37
''خطباتِ آزاد'' میں خواتین کا تذکرہ	:	ڈاکٹر جان نثار معین	42
''مولانا ابوالکلام آزاد	:	حلیم بابر	52
ملت اسلامیہ کی ایک عظیم المرتبت شخصیت			
مولانا آزاد کی تقاریر میں مساوات و یکجہتی کا درس	:	محمد ارشد مبین زبیری	55
''مولانا ابوالکلام آزاد'' ایک ہمہ جہت شخصیت	:	خیر النساء علیم	59
مسلمانوں میں سیاسی شعور: الہلال کا کردار	:	انور ہادی	64
تحریکِ آزادی کے دو جانباز سپاہی۔ آزاد و جوہر	:	ڈاکٹر شیخ فاروق باشاہ	68
مولانا آزاد کی تعلیمی فکر اور اس کی افادیت	:	محسن خان	74
مولانا آزاد کی تین اہم تصانیف	:	ناز آفرین	78

oOo

ڈاکٹر سید وصی اللہ بختیاری عمری
صدر شعبۂ اردو،
گورنمنٹ ڈگری کالج، رائے چوٹی ضلع کڈپہ (آندھرا پردیش)

مولانا آزاد کا اسلوبِ طنز طنزیاتِ آزاد کے حوالے سے

امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد کے متنوع فضائل وکمالات اور گوناگوں خصائص وامتیازات میں یہ طے کرنا مشکل ہے کہ آپ کے منجملہ اوصافِ عالی میں کس وصف کو مابہ الامتیاز قرار دیا جائے۔ صاحبِ ترجمان القرآن بحیثیتِ مفسر قرآن، ماہرِ احادیث وروایات، دیدہ ور مؤرخ، کلامی مسائل اور معقولات کے ماہر فلسفی ومتکلم، تذکرہ وسوانح نگار، الہلال و البلاغ کے بے باک صحافی، سیاست کے نباض و سیاس، دور اندیش مفکّر و مدبّر، خوش فکر شاعر، صاحبِ طرز ادیب، منفرد انشاء پرداز، اردو میں انانیتی ادب کے سب سے بڑے علمبردار، مولانا آزاد ایسی ہشت پہل شخصیت کے کمالات کے بارے میں یہ تعین یقیناً مشکل ہے کہ آپ کی جامع الکمالات شخصیت کے اوصاف و کمالات کا کونسا زاویہ اہم ہے اور کس پہلو سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔

جہاں تک ایک ادیب و انشاء پرداز کی حیثیت سے امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد کے مقام ومرتبہ کا تعین ہے، اردو تنقید متفق اللفظ ہے کہ اردو ادب میں مولانا آزاد کا کوئی ثانی نہیں ہے۔ وہ ایک عظیم نابغۂ عصر تھے جو اپنے عہد کے بے بدل خطیب اور مایہ ناز ادیب تھے۔ انہوں نے خود اپنا اسلوب ایجاد کیا۔ ان کا اسلوب صرف ان ہی سے خاص ہے۔ وہ ایک ایسے اسلوب کے موجد ہیں، جو خود اُن پر ختم ہے۔

مولانا آزاد کے اسلوبِ نگارش پر محققین و ناقدین نے بطورِ خاص توجہ کی۔ اسلوبِ نگارش خود ایک وسیع الاطراف اور طویل الذیل موضوع ہے۔ مولانا آزاد اپنی صحافتی تحریروں میں جہاں ایک جری، بے باک اور صاحبِ عزیمت قلمکار کی حیثیت سے جلوہ گر ہوتے ہیں، وہیں ان میں ایک ایسا دانشور، مفکر اور مدبر بھی صاف نمودار ہوتا ہے جس کی دور اندیش نظریں اقوام وملل کی تاریخ کا تجزیہ کرتی ہیں۔ وہ اپنی تحریروں میں غیرتِ ایمانی اور حمیتِ اسلامی کے احساسات وجذبات سے سرشار ایک ایسے مردِ مومن نظر آتے ہیں جن کے پیشِ نظر حزب اللہ کی ایسی تشکیل مقصود ہے، جو الٰہی تعلیمات کے مطابق ہو، تاکہ وہ عزیمت وعظمت کا ایسا مینار بنے جس کے لیے غلبہ موعود

موجود ہے۔

مولانا آزاد کے ادبی کمالات میں اسلوب سب سے نمایاں ہے۔ مولانا آزاد کے اسلوبِ نگارش میں بطورِ خاص وہ لفظیات اور تعبیرات ہیں، جنہوں نے ناقدینِ ادب کو اپنی جانب متوجہ کیا۔ آپ کا اسلوب معرّب ومفرّس لفظیات، افکار ونظریات کی رفعت، فکر ونظر کے اصول و ضوابط اور درونِ متن مختلف النوع اشاروں اور حوالوں کی وجہ سے آج تک توجہ کا طالب ہے کہ اس کا ایک سنجیدہ اور گہرا مطالعہ کیا جائے۔

مولانا آزاد کے اسلوب میں طنز کی ایک اہم حیثیت ہے۔ گویا ایک دانشور جب اپنی دانش وبینش اور دلیل وبرہان سے مدلل ومنضبط استدلال پیش کرے اور اس کے اس معقول کا جواب نامعقول سے دیا جائے، جواب میں اس کے ساتھ ناروا، نازیبا اور انتہائی بداخلاقی کا رویہ اختیار کیا جائے اور اس کی توہین وتذلیل اور ہتک عزت کا معاملہ کیا جائے، اس کے وقار اور انا کو مجروح کرنے کی ناکام کوشش کی جائے تو ایسے عظیم صاحبِ قلم، صاحبِ بیان، ابوالکلام کی جانب سے شکوہ سنجی، تلخ نوائی اور طنز وتعریض کے چند سہام مرموم نہ کئے جائیں اور چند جھنجھوڑنے والی حقیقت بیانی سے بھی گریز کیا جائے، یہ تو بعید از قیاس، بلکہ خلافِ عدل بھی ہے۔

مولانا آزاد ہندوستانی سیاست کے جس پر آشوب دور سے گزر رہے تھے، انہیں جن احوال وکوائف سے دوچار ہونا پڑا تھا، اس میں انہیں داخلی وخارجی محاذوں پر نبرد آزما ہونا پڑا، ظاہر ہے کہ ایک عظیم عبقری صاحبِ اسلوب ادیب اور منفرد طرز کے قلمکار کے لہجہ میں تلخی، شکوہ سنجی، غیروں کے جور و جفا کے ساتھ اپنوں کی دشنام طرازیوں اور شرارتوں پر ان کا رنج وغم، قلبی قلق، کڑھن اور گھٹن اور مزاج میں ردِعمل کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی تلخی کو صاف محسوس کیا جاسکتا ہے۔ فطری ردِعمل اور نتیجہ کے طور پر پیکرِ گل افشانی گفتار، شیریں سخنی اور قند بیانی کے علمبردار مولانا آزاد کے ہاں تلخ نوائی بھی ملتی ہے۔ زہر آب کے کئی گھونٹ پینے کے بعد وہ کہیں کہیں تلخابہ کے چند جرعات اپنے قاری وسامع کی ضیافتِ طبع کے لئے پیش کرتے ہیں۔

مولانا آزاد کی تحریروں میں اور کہیں کہیں تقریروں میں بھی طنز کی کاٹ صاف محسوس کی جاسکتی ہے۔ انہوں نے نہایت بردباری، شائستگی، وقار اور تدبر کے ساتھ محتاط ترین لہجے میں طرزِ تخاطب کو روا رکھا ہے۔ یہاں مولانا آزاد کا اسلوب دعوتِ غور وفکر اور ذوقِ حرکت وعمل کا داعی بنتا ہے۔

مولانا آزاد نے اپنے الہلال والبلاغ دور میں، جمعیت علمائے ہند کی صدارت کے عہد میں، کانگریس کی صدارت کے دور میں، قید وبند کی صعوبتوں میں، انگریزی استعمار سے مقابلہ کے ہر مرحلے میں، سامراجی عدالتوں میں، تقسیم کے دوران اور پھر وطنِ عزیز میں مرکزی کابینہ کی وزارت کے دور میں بحیثیت وزیر تعلیم جہاں جہاں ضرورت پڑی، طنزیہ اسلوب کو اختیار کیا۔

فی الواقع طنز محض ایک اسلوب نہیں ہے، یہ ایک

رویہ ہے جس میں ردِعمل کی نفسیات شامل رہتی ہے، اس میں مولانا آزاد کی انفرادیت یوں ہے کہ وہ ایک قائد تھے اور قیادت کی راہ خارزار میں خارجی و داخلی دونوں محاذوں پر انہیں اپنوں اور پرایوں سے نبرد آزمائی کرنی تھی۔ چناں چہ مولانا آزاد کی تحریروں میں اور اکثر خطبات میں طنز و تعریض کو کہیں صاف اور واضح تو کہیں کنایہ اور توریہ کے پیرایہ میں محسوس کیا جاسکتا ہے۔

''طنزیاتِ آزاد'' مولانا ابوالکلام آزاد کے مضامین، متفرق تحریروں اور تقاریر کا مجموعہ ہے جو تاج پبلشنگ ہاؤس دہلی سے شائع ہوا۔ اس کے مرتب نذیر احمد نے ابتدائیہ میں لکھا ہے کہ اس کا نام ''حدیث الغاشیہ'' ہے جسے الہلال سے مستعار لیا گیا ہے۔ فی الواقع اسی نام سے ایک طویل مضمون کتاب میں شامل ہے۔ ممکن ہے بعد کی اشاعت میں اس کا نام طنزیاتِ آزاد کر دیا گیا ہو۔

طنزیاتِ آزاد میں شامل بیشتر مضامین کا تعلق اس نوآبادتی عہد کے حالات کا آئینہ ہے۔ اس میں مسلم لیگ سے متعلق امور بھی ہیں اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا قضیہ بھی۔ صاحبزادہ آفتاب احمد کے ایک مکتوب کا جواب بھی ہے جس کا تعلق علی گڑھ اور آل انڈیا محمدن کانفرنس سے ہے۔ کہیں مسلم لیگ کے اجلاس اور اس کی قرارداد پر تبصرہ کیا گیا ہے تو کہیں عالمی جنگ کو موضوع بنایا گیا ہے۔ ایک مضمون ڈاکو اور سود خور کے موازنہ پر مشتمل ہے۔ یوروپ اور ترکی پر ایک مبسوط مضمون شامل ہے، جس میں ترکی کے معاملے میں یورپ کے طرزِ فکر کو موضوع بنایا گیا ہے۔ موجودہ مسلمانوں کی حالت' ایک تقریر ہے جس کے ہر لفظ سے مقرر کا کرب و قلق اور سوز و گداز جھلکتا ہے۔ مختصر مضمون ''مذہب کی دکان اور علمائے دنیا پرست'' میں مولانا آزاد نے علمائے سوء کو موضوع بنایا ہے۔ مضمون ''تحریکِ آزادی اور مسلمان'' میں طنز کی کاٹ صاف محسوس کی جاسکتی ہے۔

البلاغ ۱۸ر فروری ۱۹۱۶ء کو ایک مضمون میں لکھتے ہیں:

''روداد کا خلاصہ یہ ہے کہ ۱۴ر جنوری کو گورنمنٹ ہاوس لکھنؤ میں ایڈریس پیش کیا گیا اور اس کے جواب میں خطاب ملوکانہ ہمایونی نے عرض و نیاز کے ایک ایک لفظ کو خلعتِ قبولیت و پذیرائی عطا فرمایا۔

دیدار ہم میسر و بوس و کنار ہم
از بخت شکر دارم و از روزگار ہم

ادھر عرض و نیاز کی واردات کیشی تھی تو ادھر مہر و کرم کی عجز پروری۔ ادھر عشق کام کی امیدوری تو ادھر حسن عشق نواز کی کام فرمائی۔ ادھر ''اُدْعُوانی'' کی تعمیل میں دستِ دعا دراز تھا تو ادھر وعدۂ ''اَستَجِبْ لَکُم'' کی تصدیق میں دروازۂ استجابت باز۔ ایک طرف سراسر عشق تھا دوسری طرف سراسر حسن:

وجود او ہمہ حسن است و ہستیم ہمہ عشق
بہ بخت دشمن و اقبال دوست سوگند ست

رسم و راہِ کوچۂ عشق کے واقف کار جانتے ہیں کہ یہاں حق و ہنر کا سوال کام نہیں دیتا بلکہ اسی دنیا کا سارا

دار و مدار محض بخشش و کرم پر ہے۔ اس کی نظریں جس پر پڑ جائیں اور اس کی بے نیازی جس کو سرفراز کر دے وہی سب سے زیادہ مستحق اور اسی میں سب سے بڑا ہنر ہے۔ استحقاق اور ہنر دکھلا کر چاندی اور سونا لیا جا سکتا ہے لیکن محبت کی نظریں اور پیار کی ادائیں نہیں خریدی جا سکتیں۔ ارسطو اگر لیلیٰ کے خیمے کا پردہ اٹھاتا اور قیس کی دیوانگی کے مقابلے میں اپنے فنِ منطق کو پیش کرتا تو آپ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ کیا جواب ملتا۔''

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی اور علومِ جدیدہ کے موضوع پر مولانا آزاد نے کئی مقامات پر تفصیل سے لکھا ہے۔ اس سلسلے میں انہوں نے کئی امور کو اپنا ہدف بنایا۔ ایک جگہ لکھتے ہیں:

''ہمارے محققین کاملین نے اپنی سیفِ منطق کی پہلی ضرب اسی پر ماری اور ثابت کر دیا کہ اس سے بڑھ کر اور غلط خیال نہیں ہوسکتا۔ دلیل کے لے صرف ایک ہی شئے ضروری ہے۔ یعنی وہ بلا کسی درمیان ی فصل کے معاً دعوے کے بعد کہہ دی جائے۔ اب رہی یہ بات کہ اس میں اور دعوے میں ربط بھی ہو تو ایسا سمجھنا ایک خالص حماقت ہے جس میں بد بخت ارسطو گرفتار تھا اور کچھ ضروری نہیں کہ ہر انسان گرفتار ہو۔''

''دعوتِ عمل'' کا طنز سے پھر پور ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

'' آنکھیں دیکھنے کے لیے ہیں، کان سننے کے لیے، اور دل پہلو میں رکھا گیا ہے تا کہ بیقرار ہو۔ لیکن وہ سب کچھ تمہارے لیے بیکار ہو گیا ہے جس کو آنکھیں دیکھتی ہیں اور وہ سب آوازیں بے اثر ہو گئی ہیں جو کانوں سے سنائی دیتی ہیں اور وہ تمام فکریں اور عبرتیں ڈوب گئی ہیں جن سے دل تڑپتے اور روحیں بیقرار ہوتی ہیں۔ پس جو کچھ کیا جائے لا حاصل ہے اور جو کچھ کہا جائے بیکار ہے۔ آہ! تم غافل ہو گئے ہو اور تمہارے دل کی دانائی میٹ دی گئی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو جو کچھ ہو چکا ہے اور جو کچھ ہو رہا ہے وہ ایسا تھا کہ اندھے بینا ہو جاتے۔ لنگڑے چلنے لگتے، گونگوں کی چیخ سے دنیا ہل جاتی اور لولوں کے ہاتھ شیروں کے پنجوں کی طرح طاقتور ہو جاتے۔ آہ! تمہاری غفلت سے بڑھ کر آج تک دنیا میں کوئی اچھنبے کی بات نہ ہوتی اور تمہاری نیند کی رنگینی کے آگے پتھروں کے دل چھوٹ گئے۔ آہ! تم ایسے نہ تھے۔''

مولانا آزاد نے نامساعد حالات میں الہلال اور پھر البلاغ جاری کیا، آپ کی صحافت ایک تحریک تھی۔ آپ نے اپنے اعلیٰ صحافتی اصولوں کی پاسداری کر کے اردو صحافت کو بام عروج پر پہنچا دیا۔ اسی دور میں اردو کے کئی ایسے اخبارات تھے جن کے پیش نظر کوئی اصول یا صحافتی اخلاقیات نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ ان کا جو مطمحِ نظر جو بھی رہا ہو لیکن مولانا آزاد نے اخبار نویسی اور مالکان اخبار کی پالیسی اور ان کے طرزِ عمل کا ایک بہترین خاکہ پیش کیا ہے۔ اس سلسلے میں اپنے ایک مضمون ''راہِ اخبار نویسی اور دعوت و تبلیغ'' میں مولانا آزاد لکھتے ہیں:

''بلا شبہ تم نے اخبار نکالا ہے اور پریس قائم کیا ہے تو چاہیے کہ سب کچھ اسی طرح کرو جس طرح اس راہ

میں کیا جاتا ہے اور جس طرح کرنا چاہیے۔ پھر تمہاری ہمت کے آگے ہندوستان کے اخبار نویس طبقہ کی قرار داد اصول عمل کی راہ بھی ہے۔''

مزید لکھتے ہیں:

''تم چاہو تو ہندوستانی اخبار نویسی کی اس دوکان دارانہ زندگی کو سیکھ سکتے ہو جو..... دوکانداری کی قسم میں بھی سب سے ادنیٰ درجے کی دوکانداری ہے۔ اور جس کے لیے ضروری ہے کہ تم ایک ایک پیسہ کے روؤ۔ ایک ایک دھیلے کے لیے ماتم کرو۔ ایک ایک کوڑی کے لیے اپنے دماغ و قلم کی بہتر سے بہتر قوت کو یکسر وقف کر دو۔ شخصی محاسن و فضائل کا معیار صرف اپنے اخبار کی خریداری کو قرار دو۔ جو خریدے اسے فرشتہ سمجھو۔ جو بدبخت نہ خریدے اسے شیطان بتلاؤ۔ بلا طلب ہر خوش پوش کے نام اخبار جاری کر دو اور سال کے آخر میں وی۔ پی بھیج دو۔ اگر اس نے وی۔ پی واپس کر دی تو ٹکٹ کے ان پیسوں کو بھی اس کے حساب میں داخل کر دو جو واپسی کی وجہ سے ضائع ہوئے اور پھر جن جن وسائل کو عمل میں لا سکو اس ''شریفانہ بل'' کی وصولی کے لیے اختیار کرو۔ حتیٰ کہ وہ بدبخت اپنی زندگی سے عاجز آ جائے اور اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لے کہ بر اعظمِ ہند میں زندہ رہنے کی ضروری شرائط میں ایک بڑی شرط کسی اخبار نویس کے وی۔ پی کو واپس نہ کرنا بھی ہے۔

''غرض یہ کہ وہ مشکوک و منقوش وجودِ اعظم و اکرم جس کا ایمان شکن نام ''پیسہ'' ہے، بہر حال حاصل کرنا چاہیے اور بہ حیثیت ایک ''قومی اخبار نویس'' ہونے کے اس کے حاصل کرنے کی ہر ممکن شکل تمہارے لیے جائز و حلال ہے۔''

ایک جگہ مولانا آزاد طنزاً لکھتے ہیں:

''افسوس ان نادانوں کی سمجھ پر یہ شاخوں اور پتوں کے لیے روتے ہیں اور ان کے حصول کا طریقہ یہ سمجھتے ہیں کہ پیڑ پر آرا چلاتے رہیں۔ حالانکہ نہیں جانتے شاخوں اور پتوں کا سارا کارخانہ جڑ کے دم سے قائم رہتا ہے۔ جب جڑ ہی نہ رہی تو شاخیں کہاں سے آئیں گی؟۔ پھول پتے کس میں لگیں گے؟۔ یہ کہاں کی باغبانی ہے کہ پتوں کے عشق میں سرے سے جڑ ہی کا خاتمہ کر دیا جائے۔

آہ! میر دردؔ کا شعر کتنا پامال ہو چکا ہے، پھر بھی اسے بھلایا نہیں جا سکتا:

مجھے یہ ڈر ہے دلِ زندہ تو نہ مر جائے
کہ زندگانی عبارت ہے تیرے جینے سے

مولانا آزاد کا طنزیہ مضمون ''حدیث الغاشیہ'' طنزیہ اسلوب میں بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ اس کا رنگ سب سے جدا ہے۔ یہ ایک اہم مضمون ہے جس میں ''فاؤنڈیشن کمیٹی'' کے سلسلے میں مولانا آزاد نے بڑے شوخ اور بے باک طنزیہ لہجہ میں لکھا ہے:

''مرغِ اسیر کی گرفتاری اور سیاہ بے مہر کی تغافل شعاری کا مرثیہ ہمارے شعراء کی بدولت ایک عجیب و غریب دلچسپ داستان بن گئی ہے۔ فرض کیجیے کوئی خوش لحن طائر اپنے ہزاروں آرزوؤں اور تمناؤں سے پامال ہوا اور اس کا ضعیف جسم آپ کی مضبوط مٹھی میں اس طرح دبا ہو کہ ذرا

انگلیوں کو اور سخت کیجیے تو غریب کی کاغذی پسلیاں ریزہ ریزہ ہو جائیں، لیکن یکا یک آپ کو ٹھوکر لگی اور اب جو دیکھتے ہیں تو ہاتھ خالی ہے۔ وہ صیدِ ستم کسی بلند درخت کی ٹہنی پر بے فکر و بے پرواہ بیٹھا ہوا چہچہا رہا ہے۔

۲۶ ردسمبر کے جلسے میں جب کہ لفظوں کی جگہ زبانوں سے شعلے نکل رہے تھے تو راجہ صاحب محمود آباد ہمارے مجلس طراز دوست مسٹر محمد علی کو مخاطب کر کے دل ہی دل میں ضرور کہتے ہوں گے۔

مجلس طرازیوں کے چکھادوں گا سب مزے
تم اتفاق سے کہیں تنہا اگر ملے !''

ooo

اسی مضمون میں مولانا آزاد لکھتے ہیں:

''کہا جاتا ہے کہ راجہ صاحب نے کہا تھا جب تک مسٹر محمد علی رام نہ کئے جائیں گے، کچھ نہیں ہوگا۔ یہی سبب ہے کہ اسی خلوتِ شب کی بارات کا دولہا انہیں کو بنایا گیا اور رات بھر سہرے کی آرائش و تزئین میں صرف ہوئی۔ خیر! ہم کو اس سے کوئی بحث نہیں۔ ہم تو صبح کی چشمِ خمار آلود اور زلف پریشاں کی ادائیں دیکھنے والوں میں تھے اور یہ جو اپنے حصے میں آیا تو اس پر شاکی نہیں۔ ہمارے دوست کے ہم وطن یوسف علی خان ناظم کا فلسفہ اس موقعہ کے لیے ہمیں یاد تھا۔''

ادائیں شب کی تو سب لوگ دیکھتے ہیں مگر
ہم ان کی بگڑی ادائیں سحر کو دیکھتے ہیں !!

ooo

''یہ تو شبِ وصل کی شام تھی۔ اس کے ذکر کو کہیں جلد ہٹایئے کیوں کہ اصل پر لطف قصہ تو اس کے بعد آتا ہے۔ جب کہ رندانِ بادہ گسار نے ''حجلۂ نیم شبی'' آراستہ کیا اور موٹر کاریں بھیج بھیج کر ایک شریف پیمان کی قسمتِ خفتہ کو مژدہ گساری سے بیدار کیا گیا۔''

وقت آں نیست کہ بہ حجرہ بخوابی تنہا!

چشم تصور سے کام لیجیے کہ دسمبر کی آخری ہفتہ کی سرد راتیں ہیں۔ لیلائے شب کی زلف کمر سے گزر چکی ہے۔ ایک کنجِ خلوت میں صحبت بادہ پرستی گرم ہے اور گرم گرم سازشوں کی۔

دھری شراب ہے، بیٹھے ہیں جا بجا ساقی!

قبل اس کے کہ آپ کسی مدعی زہد کو الزام دیں، آپ ہی کو منصف بناتے ہیں کہ بھلا ایسی توبہ شکن اور ولولہ انگیز صحبت میں اگر ہمارے کسی دوست کی ''توبہ'' نے لغزش کھائی اور اس جامِ عہد فروش کو منہ سے لگاتے ہی بنی، جو کسی کے دست طلائی نے پیش کیا تھا، انصاف کیجیے کہ آخر پہلو میں دل کس کے نہیں ہے۔ اور پھر یہ تو وہ مقام ہے کہ ''ہاروت و ماروت'' کے قدم بھی لڑکھڑا گئے تھے۔''

ساقیا مرنج از من عالم جوایہناست!!

امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد کے اسلوب کے مطالعہ کے دوران آپ کے طنزیہ اسلوب کا بھی مطالعہ کیا جانا چاہیے۔ طنزیاتِ آزاد کے علاوہ کئی اور مضامین و خطابات میں طنزیہ اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔

OOO